جلوے میں طاؤس ہے تو پرواز میں عنقا"

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے۔ مگر انکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی غزل میں نہ صرف نظیری۔ بلکہ عرفی، ظہوری، طالب آملی، جلال اسیر اور انکے دیگر متبعین کی غزل کا رنگ علی العموم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے۔ کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ انکی غزل بلاشبہہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے لیکن طرزِ بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت نہیں معلوم ہوتی۔

"ناظم ہروی کی چند بیتیں مشہور ہیں۔ جن میں عنصری سے لیکر جامی تک ہر زمانے میں جو شاعر سرآوردہ ہوا ہے اسکا نام لیا ہے۔ انکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کی ہے۔ چونکہ اصل بیتیں اور اس پر مرزا کا اضافہ فائدے اور لطف سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اسکو یہاں نقل کرتے ہیں۔ ناظم کہتا ہے۔

"شنیدم کہ در دورِ گاہِ کہن — شدہ عنصری شاہِ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی — بہ فردوسی آمد کلاہِ مہی
چو فردوسی آمد بسر در کفن — بہ خاقانی آمد بساطِ سخن
چو خاقانی از دارِ فانی گذشت — نظامی بہ ملکِ سخن شاہ گشت
نظامی چو جامِ اجل در کشید — سرِ چترِ دانش بہ سعدی رسید
چو اورنگِ سعدی فرو شد زکار — سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار
ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید — ز جامی سخن را تمامی رسید"

اسکے بعد جو کمی ناظم کے بیان میں رہ گئی تھی اسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے

"ز جامی بہ عرفی و طالب رسید — ز عرفی و طالب بہ غالب رسید"

اگرچہ مرزا نے بیدل اور انکے متبعین کی زبان اور انکے اندازِ بیان میں شعر کہنا بالکل ترک کر دیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہلِ زبان کے طریقے سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ مگر خیالات میں بیدلیت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے انتہا گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم اس مقام پر انکی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کرینگے جنکے بغیر مرزا کی طرزِ تخیل اور انکے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

انتخابِ غزلیاتِ فارسی

"شاہدِ حسن ترا در روشِ دلبری — طرۂ پرخم صفات موی میان ماسوا

یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہدانِ مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اسکا طرۂ پرخم کیا ہوگا؟ صفاتِ الٰہی۔ اور اسکا موی میان کیا قرار پائیگا؟ ماسوی اللہ۔ شعرائے متصوفین صفاتِ الٰہی کو اکثر زلف و گیسو اور طرہ و کاکل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ ماسوے اللہ کو صوفیہ معدومِ محض جانتے ہیں اور معشوق کی کمر کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہدِ حسنِ حقیقی کی کمر ماسوے کو قرار دیا ہے۔

آب نہ بخشی بزہر خونِ سکندر ہدر — جاں نہ پذیری بہیچ نقدِ خضر ناروا

ہدر یعنی حلال۔ مشہور ہے کہ سکندر آبِ حیواں کی تلاش میں گیا تھا مگر ناکام رہا۔ کہتا ہے کہ تو زہر کو

سے کسی کو پانی نہیں دیتا، پس اگر سکندر آبِ حیواں کے نہ ملنے کے سبب ہلاک ہو جائے تو ہو۔ دوسرے مصرع میں خدا کی بے نیازی کا بیان ہے، یعنی خضر جان جیسی عزیز چیز مفت نذر کرتا ہے مگر تو اسکو قبول نہیں کرتا، اور اس لئے اُسکو کسی طرح موت نہیں آتی۔

بزم ترا شمع و گل خستگیِ بوتراب   سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

یعنی تیرے ہاں وہی سب سے زیادہ مقرب اور برگزیدہ ہیں جو سب سے زیادہ مشاقِ حوادث و مصائب و آلام ہیں۔

سادہ ز علم و عمل مہرِ تو ورزیدہ ام   مستیِ ما پایدار بادۂ ما ناشتا

ناشتا نہار منھ رہنا اور کچھ نہ کھانا نہ پینا۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ گو میں نے شراب کا ایک قطرہ نہیں پیا مگر نشے میں ہر وقت چور رہتا ہوں، یعنی گو علم و عمل کچھ نہیں رکھتا مگر تیری محبت میں سرشار ہوں

قطعہ

۱ اے خاکِ درت قبلۂ جان و دلِ غالب   کز فیضِ تو پیرایۂ ہستی ست جہاں را

۲ تا نامِ تو شیرینیِ جاں دادہ بگفتن   در خویش فرو بردہ دل از مہر زباں را

یعنی آنحضرتؐ کا نام مبارک لینے سے زبان میں ایسی شیرینی اور حلاوت پیدا ہوئی کہ دل نے پیار سے اُسکو اپنے اندر اُتار لیا۔

ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوے   سایہ ہمچوں دود بالا مے رود از بالِ ما

یعنی ہماری پرواز میں اس قدر گرمی ہے کہ جس طرح دُھواں آگ کے اوپر ہی اوپر جاتا ہے اسی طرح ہمارے پروں کا سایہ نیچے نہیں پڑتا بلکہ دُھوئیں کی طرح پروں کے اوپر اوپر جاتا ہے۔

حالِ ما از غیر می پرسی و منت می بریم   آگہی بارے کہ آگہ نیستی از حالِ ما

یعنی تو جو ہمارا حال غیر سے پوچھتا ہے ہم اسی بات کے شکرگذار ہیں، غنیمت ہے کہ تو اس بات سے تو آگاہ ہے کہ تجھکو ہمارے حال کی خبر نہیں۔

دل بیوس تسکین ہمدرد می‌تواں دادن   چہ امید ست آخر خضر و ادریس و مسیحا را

خطے بر ہستیِ عالم کشیدیم از مژہ بستن   ز خود رفتیم و ہم با خویشتن بردیم دنیا را

وقتِ تاراجِ غمِ تست چہ پیدا چہ نہاں   ہمچو رنگ از رخ ما رفت دل از سینۂ ما

جوئے از بادہ و جوئے ز عسل دار و خلد   لبِ لعلِ تو ہم ایں است و ہم آنست مرا

خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت   منتے بر قدمِ راہ رواں ست مرا

یعنی راہ کے تمام خار و خس میری گرمی رفتار سے جل گئے ہیں، پس رہگیروں کے قدم پر میرا احسان ہے کہ اُنکے لئے میں نے رستہ بالکل صاف کر دیا ہے۔ یہ تمام مضمون استعارے میں بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نازک خیالی کے طریقے میں جو اُلجھاؤ تھے وہ سب میں نے اس طریقے پر چلکر دور کر دئے ہیں اور آیندہ آنے والوں کے لئے راہ صاف کر دی ہے۔

رہرو تفتہ و در رفتہ بہ آبم غالب   توشہ بر لبِ جو ماندہ نشانست مرا

یعنی میری مثال اُس مسافر کی سی ہے جو گرمی اور لو سے جلا بھنا۔ پانی کو دیکھکر بے اختیار اُسمیں کود پڑے اور ڈوب جائے، اور ندی کے کنارے پر اُسکا زادِ راہ پڑا رہ جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی مسافر ڈوبا ہے۔ اس شعر میں مرزا نے اپنی خاص حالت کو تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں لوگوں نے مجھکو محض اٹکل اور قرائن سے پہچانا ہے، ورنہ میں جیسا کہ میں ہوں سب کی نظروں سے مخفی رہا ہوں۔

دنیا

سایۂ و چشمہ بصحرا دمِ عیشے دارد   اگر اندیشۂ منزل نبود رہزنِ ما

یہ دنیا کی مثال ہے ؛ یعنی اگر آخرت کا کھٹکا نہ لگا ہوا ہو تو دنیا خاصی آرام کی جگہ ہے۔ مگر چونکہ یہ کھٹکا لگا ہوا ہے اس لئے یہاں آرام کے ساتھ دم نہیں لیا جا سکتا۔

مے پرد مور مگر جاں بسلامت ببرد   تا چہ برق ست کہ شد تا مزد خرمن ما

یعنی معلوم نہیں کہ ہماری خرمن پر کون سی بجلی گرنیوالی ہے کہ چیونٹے جان بچا نکلنے لئے پہلے ہی سے اڑے جاتے ہیں۔ تمثیل کے پیرائے میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوست اور رفیق کوئی ہمارے رنج میں شریک نہیں ہوتا۔

فخریہ

سخنِ ما ز لطافت نہ پذیرد تحریر   نشود گرد نمایاں زرمِ توسنِ ما

یعنی ہمارے خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکتے ؛ گویا ہمارے گھوڑے کی دوڑ میں گرد وغبار بالکل نہیں اٹھتا۔

فخریہ

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب   شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

یہ ملکۂ فطری کی طرف اشارہ ہے یعنی ہمنے شاعری خود نہیں اختیار کی بلکہ ملکۂ شاعری نے خود ہمکو مجبور کیا کہ ہم اسکو اپنا فن قرار دیں۔

شکایت

با بندۂ خود ایں ہمہ سختی نمی کنند   خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما

یہ خطاب خداوند حقیقی کی طرف ہے ؛ یعنی کیا ہم زبردستی سے تیرے سر ہوگئے ہیں کہ ہم پر ایسی سختی کیجاتی ہے ؟

فخریہ

بر روے حاسداں در دوزخ کشودہ رشک   از بہرِ خویش جنتِ در بستہ ایم ما

یعنی ہم اپنا کمال دیکھکر آپ ہی خوش ہوتے ہیں گویا ہم اپنے لئے جنتِ در بستہ ہیں پس چونکہ ہماری

جنت کی کیفیت ہے اور جو اسمیں لذت و راحت ہے اُس سے حاسد لوگ بیخبر ہیں۔ اسلئے رشک سے انکی یہ حالت ہے کہ گویا انپر دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

تصوف

سوزِ ترا رواں ہمہ در خویشتن گرفت   از داغِ تہمتے بہ جگر بستہ ایم ما

یعنی تیرے سوز اور تیری آگ کو جان نے بالکل اپنے اندر لے لیا ہے ؛ اور ذرہ برابر کسی کیلئے اسمیں سے حصہ نہیں چھوڑا۔ پس ہم جو اپنے جگر کو داغ دار قرار دیتے ہیں درحقیقت اُسپر تہمت رکھتے ہیں۔

با چو توئے معاملہ بر خویش منت است   از شکوۂ تو شکر گزارِ خودیم ما

روے سیاہِ خویش ز خود ہم نہفتہ ایم   شمعِ خموشِ کلبۂ تارِ خودیم ما

کدوئے چوں زمے یابم جہانِ خویشتن بالم   کہ پندارم سر آمد روزگارِ بے نوائیہا

یعنی ایک شراب کا بھرا ہوا تونبا مجھکو ملجاتا ہے تو میں پھولا نہیں سماتا اور یہ سمجھتا ہوں کہ بس اب بے سروسامانی کا زمانہ ختم ہوا۔

سخن کوتہ مرا ہم دل بتقوے مائل ست اما   ز ننگِ زاہد افتادم بکافر ماجرائیہا

یعنی زاہد کے ساتھ ہم پیشہ ہونے سے عار آتا ہے اسلئے میری کفار کی سی حالت ہے ورنہ تقویٰ کی طرف مجھے بالطبع میلان تھا۔

در مشربِ حریفاں منعست خود نمائی   بنگر کہ چوں سکندر آئینہ منیست جم را

حریفاں کا لفظ فارسی میں ایسا ہے جیسا اُردو میں یار لوگوں کا لفظ ؛ اور لفظی معنی اسکے ہم پیشہ ہیں جب شرابخوار کسی کو حریف یا حریفاں کہتا ہے تو اُس سے مراد شرابخوار ہوتی ہے کہتا ہے کہ ہم

شرابخواروں کے مشرب میں خود نمائی منع ہے۔ دیکھو جمشید جو بادہ نوشی میں ضرب المثل ہے اُسکے ہاں آئنہ خود نمائی یعنی آئینہ جیسا کہ سکندر کے ہاں تھا۔ نہ تھا۔

زما گسستی و با دیگراں گرو بستی　　　　بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا

یعنی اگر تو نے ہمسے توڑ کر غیروں کے ساتھ پیمان باندھا ہے تو اسکا خیال نکر اور بے تکلف ہمارے پاس چلا آ، کیونکہ عہدِ وفا تو ٹوٹنے ہی کے لئے باندھا جاتا ہے؛ وہ کبھی استوار نہیں ہوتا، جیسا کہ ہمارے ساتھ بندھکر ٹوٹ گیا۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد　　　　ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

یعنی وداع میں اَور لطف ہے اور وصل میں اَور لذت ہے بس ہزار بار جا اور لاکھ بار آ۔ صد ہزار کے لفظ نے شعر کو زیادہ بلیغ کر دیا ہے کیونکہ شاعر باوجودیکہ لذت میں وداع اور وصل دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے مگر پھر بھی اپنے مطلب کی بات کو نہیں بھولا؛ اور جانے کے لئے ہزار بار اور آنے کے لئے صد ہزار بار کا لفظ استعمال کیا ہے۔

رواجِ صومعہ ہستی ست زینہار مرو　　　　متاعِ میکدہ مستی ست ہوشیار بیا

یعنی صومعہ میں ہستی و پندار و غرور کا رواج ہے وہاں ہرگز نہ جا؛ اور میکدے کی جو کچھ پونجی ہے وہ مستی ہے؛ یہاں ذرا ہوشیار ہوکر یعنی ظرفِ عالی لیکر آنا چاہئے۔ مستی حاصل کرنے کے لئے ہوشیار ہوکر آنا۔ اِسمیں جو لطف ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

چوں بقاصد بسپرم پیغام را　　　　رشک نگذارد کہ گویم نام را
گشتہ در تاریکیِ روزم نہاں　　　　کو چراغے تا بجویم شام را

یعنی میرا دن اس قدر تاریک تھا کہ شام کی تاریکی اور اُسکی تاریکی دونوں مل گئیں؛ اور یہ نہ معلوم ہوا کہ شام کب ہوئی اور دن کب چھپا۔

تا نیفتد ہر کہ تن پرور بود　　　　خوشش بود گرد دانہ نبود دام را

یہ وہی مضمون ہے جو مرزا نے اُردو میں اس طرح باندھا ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ　　　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

دلستاں در خشم و غالب بوسہ جو　　　　شوق نشناسد ہمے ہنگام را

در ہجر طرب بیش کند تاب و تبم را　　　　مہتاب کفِ مارِ سیاہ ست شبم را

یعنی جدائی کے زمانے میں جو سامانِ عیش و طرب مہیا ہوتا ہے اُس سے میری بیقراری اور تپش زیادہ بڑھتی ہے۔ پس چاندنی جو کہ عیش و طرب کی محرک ہے وہ میری رات کے حق میں مارِ سیاہ کے پھن کا حکم رکھتی ہے۔

تشنہ لب ساحلِ دریا ز غیرت جاں دہم　　　　گر بموج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا

کہتا ہے کہ میں کیسا ہی پیاسا ہوں لیکن اگر دریا کی موج پر مجھکو یہ شبہ بھی گذرے کہ دریا نے مجھے دیکھکر پیشانی پر بل ڈالا ہے تو میں غیرت کے مارے ساحلِ دریا پر جان دیدونگا مگر حلق تر نکرونگا۔

بپایانِ محبت یاد می آرم زمانے را　　　　کہ دل عہدِ وفا نابستہ دادم دلستانے را

اس شعر میں اپنی نادانی اور حماقت ظاہر کرتا ہے؛ کہ اب انتہائے محبت میں۔ جبکہ معشوق کی طرف سے ظلم و ستم و بیوفائی کی کچھ حد نہیں رہی۔ مجھے یہ خیال آتا ہے کہ افسوس ہے جب میں نے دل اُسکو دیا تھا اُسوقت وفاداری کا عہد نہ لے لیا۔ حالانکہ دل کا دینا کوئی اختیاری بات

نہیں ہے، کہ جس طرح بیع و شرا اور لین دین کے وقت شرطیں کر لیتے ہیں اُسی طرح دل دیتے وقت بھی کوئی شرط کر لیجاتی۔

آوازۂ شرع از سرِ منصور بلند ست — از شب روی ماست شکوہ عسس ما

شب روی۔ چوری کے لئے راتوں کو پھرنا۔ کہتا ہے کہ اگر مجرموں کو تعزیر نہ دیجاے تو شریعت کی شان و شوکت اور حکومت کی شکوہ ظاہر نہیں ہوتی۔ پس ہم جو مرتکب جرائم ہوتے ہیں گویا شریعت اور حکومت کی شان بڑھاتے ہیں۔

وقتست کہ خونِ جگر از در دبجوشد — چندانکہ چکد از مژۂ داورس ما

کہتا ہے کہ میری مظلومی اب اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ وہ وقت آن پہنچا ہے کہ خونِ جگر درد سے اسقدر اُبلے کہ حاکم داورس کی پلکوں سے جا ٹپکے۔

در دہر فرو رفتۂ لذت نتواں بود — بر قند۔ نہ بر شہد نشیند مگس ما

یعنی ہم دنیا کی لذتوں سے متمتع ہوتے ہیں مگر اُن میں پھنستے نہیں جیسے وہ مکھی جو قند پر بیٹھتی ہے کہ جب چاہا اُڑ گئی۔ نہ وہ مکھی جو شہد پر بیٹھتی ہے کہ پھر اُبھر نہیں سکتی۔

بادۂ مشکبوی ما۔ بید و کنارِ کشت ما — کوثر و سلسبیل ما۔ طوبیٔ ما بہشت ما

حسرتِ وصل از چہ رو۔ چون بخیال سرخوشیم — ابر اگر نہ بارید۔ بر لبِ جو ست کشت ما

یعنی جبکہ ہم خیال دوست ہی میں مست و سرشار ہیں تو وصل کی حسرت کیوں کریں۔ اگر ابر نہیں برستا تو نہ برسے، ہماری کھیتی خود ندی کے کنارے پر ہے۔

بردہ صد ابعین بسر بر سرِ صد ہزار خم — گر نہی در آفتاب بادہ چکد ز خشتِ ما

بادہ اگر بود حرام۔ بذلہ خلافِ شرع نیست — دل نہ نہی بہ خوب ما۔ طعنہ مزن بزشت ما

زہّاد کی طرف خطاب ہے جو شراب خواری اور رندانہ بذلہ سنجی دونو کو برا سمجھتے ہیں۔ کہتا ہے کہ اگر شراب حرام ہے تو بذلہ سنجی تو خلافِ شرع نہیں ہے، اگر تو شراب کو جو ہماری نفیس چیز ہے پسند نہیں کرتا تو بذلہ سنجی جو ہماری ادنی درجے کی چیز ہے اُسپر تو طعن مت کر

گفت بحکمِ حسرتی غالبِؔ خستہ این غزل — شاد ببیج می شود طبعِ وفا سرشتِ ما

یہ غزل غالباً اُس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جبکہ نواب مصطفٰے خاں مرحوم متخلص بہ حسرتی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا اور علوی، و صہبائی، و آزردہ، اور مومن اور نیر وغیرہم سب اُسمیں شریک ہوتے تھے اس مقطع میں مرزا نے مصرع طرح کو تضمین کیا ہے اب اسکے معنی یہ ہوگئے کہ ہمسے جو اِس طرح پر غزل لکھنے کی فرمائش کی گئی ہماری طبعِ وفا سرشت دوست کے اتنے ہی التفات سے شاد شاد ہو جاتی ہے۔

مُردم ز فرطِ ذوق و تسلّی نمے شوم — یارب کجا برم لبِ خنجر ستاے را

کہتا ہے کہ دوست کے خنجر نے وہ مزا دیا ہے کہ اُسکی تعریف کرتا کرتا مر گیا، اور پھر بھی تسلی نہوئی الٰہی اس لبِ خنجر ستا کو کہاں لیجاؤں کہ جہاں جا کر تسلی ہو۔

شبم تاریک و منزل دور و نقشِ جادہ ناپیدا — ہلاکم جلوۂ برقِ شراب گاہ گاہے را

پہلے مصرع میں اپنی مشکلات کو شبِ تاریک وغیرہ کی تمثیل میں بیان کیا ہے دوسرے مصرع میں کہتا ہے کہ میں ہلاک یعنی قربان ہوں برق شراب کی چمک پر جو کبھی کبھی چمک جاتی ہے اور اُس اندھیرے میں کچھ روشنی نظر آجاتی ہے مطلب یہ کہ شراب جو کبھی کبھی مل جاتی ہے صرف اُسکی بدولت میرا غم غلط ہوتا ہے۔

مے باندازہ حرام آمدہ - ساقی برخیز　　شیشہ خود بشکن بر سرِ پیمانۂ ما

برخلاف عقل و شرع کے کہتا ہے کہ اے ساقی شراب اعتدال کے ساتھ پینی حرام ہے تو اٹھ اور اپنا شیشہ یعنی بوتل یا صراحی ہمارے گلاس پر دے مار اِس شعر میں افراطِ شوق کی تصویر کھینچی ہے خواہ کسی چیز کا شوق ہو جب کسی چیز کی طلب اور خواہش حد سے گذر جاتی ہے تو اس بات کی حس نہیں رہتی کہ اپنے ظرف کے موافق اُسکی خواہش کیجاے جب پانی کی پیاس نہایت شدت سے ہوتی ہے تو پیاسا دریا کو دیکھکر یہ چاہتا ہے کہ سارے دریا کو پی جاؤں - پس گو کہ مضمونِ شعر شراب کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے لیکن اُسکا مصداق ہر چیز کا مشتاق قرار پا سکتا ہے -

مو برآید ز کفِ دست اگر دہقاں را　　نیست ممکن کہ کشد ریشہ سر از دانۂ ما

ظاہر ہے کہ انسان کی ہتیلی میں بال پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھی گئی - کہتا ہے کہ اگر کاشتکار کی ہتیلی میں بال بھی نکل آئیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہمارا دانہ پھوٹ کر اُسمیں سے ریشہ نکل آئے یعنی ہماری کوششوں کا مشکور ہونا محال ہے -

خرابیم و رضایش در خرابیہای ما باشد　　ز چشمِ بد نگہدارد خدا ما دوستکاماں را

خراب - مست ، ویران ، اور تباہ ، تینوں معنوں میں آتا ہے - دوست کام وہ شخص جسکی حالت دوستوں کی خواہش کے موافق ہو ، یعنی عمدہ حالت ہو - کہتا ہے کہ ہم خود بھی خراب ہیں اور دوست کی خوشی بھی یہی ہے کہ خراب حال رہیں پس ہم دوست کاموں کو جنکی حالت دوست کی مرضی کے موافق ہے خدا تعالے نظرِ بد سے محفوظ رکھے -

بسا افتادہ - سرمست و بسا افتادہ در طاعت　　تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری کداماں را

عالم آئینۂ رازیست چہ پیدا چہ نہاں　　تاب اندیشہ نداری بہ نگاہے دریاب

یعنی اگر تو سوچ نہیں سکتا تو نگاہ ہی سے عالم کو دیکھ کہ اُسکا ظاہر اور باطن سب مظہرِ اسرارِ الٰہی ہے -

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار　　نیست گر صبح بہاری شبِ ماہے دریاب

گر پس از جور بہ انصاف گراید چہ عجب　　از حیا روے بما گر ننماید چہ عجب

کہتا ہے کہ ظلم و ستم کے بعد اگر وہ انصاف کی طرف مائل ہوجائے تو کچھ عجب نہیں یعنی اپنے پچھلے ظلم یاد کرکے حیا سے ہمکو مُنہ نہ دکھلائے تو کچھ تعجب نہیں مطلب یہ کہ انصاف بھی کریگا تو اِس طرح کریگا کہ ہم اُسکے دیکھنے سے محروم رہیں -

بو دش از شکوہ خطرو نہ سری و خشت بمن　　بمزارم اگر از مہر بیاید چہ عجب

خیالی پلاؤ پکاتا ہے تاکہ اِسی طرح اپنے دل کو تسکین دے -

با چنیں شرم کہ از ہستیِ خویشتن باشد　　غالب از رخ بر دوست فنا ید چہ عجب

یعنی اِس شرم سے کہ اپنے تئیں غلطی سے موجود سمجھ رہا ہے اگر غالب خدا کے آگے سجدہ نہ کرے تو کچھ تعجب نہیں -

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد است　　آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است

آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب　　شانِ حق آشکار ز شانِ محمد است

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است　　اما کشاد آں ز کمانِ محمد است

دانی اگر بمعنیِ لولاک وا رسی　　خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد　　سوگندِ کردگار بجانِ محمد است